قرآنی ابلاغ کی روشنی میں انسانی شخصیت کے بنیادی عناصر اور نشوو ارتقاء کا جائزہ

An Overview of The Basic Elements of Human Personality and its Evolution in the Light of Quranic Communication

* سنبل اشرف

** پروفیسر ڈاکٹر نسیم سحر صمد

Abstract

The personality is the collective identity of a human being, which is the manifestation of the interconnectedness of its properties, fortifications, influences, motivations and habits. The ultimate goal of personality is to achieve the will of Allah. And the way to reach this goal is to obey Allah's commands. In Islam, the standard of a balanced personality is that man's relationship with his creator, with other human beings, and with himself, is on a strong basis. All human rights and responsibilities depend on these three directions. In order to raise awareness and pay for these three directions, Almighty Allah has provided Quran and Sunnah for human guidance in this world, whose four fields are beliefs, worship, morals, and matters. The essence of personality building and narcissism is that in all three aspects of human relations, the commands of these four spheres must be obeyed in such a way that none of them can be affected. They maintain a good balance and all three dimensions work in a relaxed, gentle, effective and functional way. In this regard, the best of an example the Prophet (peace be upon him) is present before us.

Keywords: *Composition of Human Personality, Cognitive Aspect, Emotional Aspect, Behavioural Aspect, Optimism, Patience, Thankfulness.*

☆ **تعارف**(Introduction)

اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس کی تشکیل اس طرح فرمائی کہ اس کے اندر نیکی اور بدی کے تمام مبادی الہام کر دیئے ہیں اس کے ساتھ انسان کی ہدایت کے لئے دہرا انتظام فرماتے ہوئے فطری ہدایت کے ساتھ اپنی وحی سے بھی مشرف کیا تاکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جائے اور اسے فلاح نصیب ہو۔ فلاح قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے جس سے مراد دنیا میں ہدایت کی توفیق میسر آنا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جانا ہے۔ قرآن حکیم شخصیت کی متوازن تعمیر اور بحالی کے لئے ایک عمدہ، متوازن اور بھرپور پروگرام رکھتا ہے شخصیت کی تعمیر میں وحدت انسانی، مساوات، عقل و تفکر، حکمت، اخلاص، محبت و خیر خواہی، انفاق جیسے اعلیٰ تصورات اور اخلاقی اقدار کی تعلیم دی اور انہی کے حصول کو انسان کے لئے نصب العین قرار دیا۔ متوازن شخصیت کے لئے لازم ہے کہ وہ معاشرے کے ساتھ باہمی ربط جذبہ محبت اور خیر خواہی کی بنیاد پر

استوار کرے اور اپنے اندر تمام انسانیت سے قرب و تعلق کے احساسات کو موجزن کر سکے۔ شخصیت کی تعمیر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی لگاؤ اور خشیت اِلٰہی بنیادی عناصر ہیں اور انہی میں بنی نوع انسان کی حقیقی فلاح مضمر ہے۔ انسان کی تربیت کے

---

*پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر، لاہور کالج فار وومن یونیورسٹی، لاہور۔

**پروفیسر، لاہور کالج فار وومن یونیورسٹی، لاہور۔

لئے لازم ہے کہ انسان اس امر واقعی کو ہمیشہ یاد رکھے کہ اس کے رب نے اسے خلافت سے نوازا ہے اس عظیم امانت کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائے اور اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ فطری روشنی کی لو کو بجھنے نا دے۔ لیکن جب انسان نے اس سے تغافل برتتے ہوئے اس پر عمل کرنے سے ہاتھ اٹھالیا تبھی سے وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر مشکلات کا شکار ہے۔ ہر عاقل آدمی کے لئے اپنے خالق ومالک کا تعارف، اس کائنات کی حقیقت کا علم، آفاق وانفس کے مطالعہ سے رحمٰن کی صفات کا علم، پھر ان صفات کا خیر وشر اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی بنانا اور بالآخر انسان کی سعادت وشقاوت اور اقوام کے عروج وزوال سے متعلق اصول وضوابط کا ادراک حاصل کرنا سب سے اہم ہے۔ انسان کی انفرادی واجتماعی سعادت سے متعلق یہی وہ بنیادی سوالات ہیں۔ ان کے حل ہو جانے کے بعد جہاں تک انسان کی عقلی اور روحانی طمانیت کا تعلق ہے وہ اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رہی اس کی جسمانی اور مادی آسائش تو وہ اپنی سعی وکوشش اور اپنے تجربی علم کے ذریعہ سے قدرت کے قوانین کے دریافت کرنے اور ان کو اپنے معاشی وتمدنی مصالح کی ترقی میں استعمال کرنے کا سلیقہ جس قدر بڑھتا جائے گا اسی قدر اپنی معاشی خوشحالیوں میں اضافہ کرتا چلا جائے گا۔ اب ہم انسانی شخصیت کی تعمیر کے ضمن میں اس کے بنیادی پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

☆ انسانی شخصیت کے اجزائے ترکیبی:

انسان کی شخصیت ان تین پہلوؤں پر مشتمل ہے، 1: ادراکی پہلو، 2: جذباتی پہلو، 3: کرداری پہلو۔

Ian Robertson ایک ماہر عمرانیات ہے جو انسانی شخصیت کے عناصر ترکیبی یوں بیان کرتا ہے:

The fairly fable patterns of thought, feeling and action that are typical of an individual, personality thus includes three main elements: the cognitive component of thought, belief, perception, memory and other intellectual capacities: the emotional component of love, hate, envy, sympathy, anger, pride and other feelings: and the behavioral components of skills, aptitudes, competence, and other abilities.[1]

رابرٹسن نے شخصیت کے جن اجزاء کا ذکر کیا ہے اکثر مغربی ماہرین عمرانیات کے افکار میں بھی انہی اجزاو پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔

1: ادراکی پہلو:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی شخصیت میں مختلف مہارتیں، فطری استعداد اور صلاحیتیں، اہلیت اور اسی طرح کے دوسرے اوصاف شامل ہیں انسانی شخصیت کے عناصر ترکیبی میں ادراکی پہلو کی اگر بات کی جائے تو اس ضمن میں قرآنی ابلاغ عقائد کا ایسا مضبوط تصور دیتا ہے جو انسان کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہوئے اس کے ادراک وشعور کی مکمل نشوونما کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں: یہ بات علم النفس بلکہ طب اور سائنس کی بدیہات اور مسلمات میں سے ہے، لہٰذا دلائل کی محتاج نہیں کہ انسانی اعمال کا منبع اس کے خیالات وعقائد ہیں انسان جو کچھ سوچتا ہے اسی پر عمل کرتا ہے اور ہر انسانی عمل کی بنیاد اس کی سوچ ہی ہوتی ہے، ہر انسانی عمل کی بنیاد اس کے خیالات ہوتے ہیں۔ یہ خیالات اگر منتشر اور غیر منظم ہوں تو اعمال بھی منتشر اور غیر منظم ہوں گے اور جس شخصیت سے یہ اعمال سرزد ہوں گے اسے بھی غیر مرتب اور غیر منظم شخصیت کہا جائے گا کہ جس کی زندگی کے کوئی اصول نہیں اور نہ ہی اس کے اعمال کے متعلق کوئی اندازہ لگایا جاسکے گا کہ نہ معلوم وہ کیا کرے اور کس بات پر کیا ردعمل دے گا۔ اس کے برعکس اگر

خیالات منظم اور مرتب ہوں تو اعمال بھی منظم اور مرتب ہوں گے، اعمال پختہ عادات میں ڈھل جائیں گے اور پختہ عادتیں ایک خاص قسم کی مسلم شخصیت کو وجود بخشیں گی اور جن اصولوں پر اس شخص کے خیالات بنے ہوں گے ان ہی کی بنیاد پر پیش گوئی بھی کی جاسکے گی کہ فلاں صورت میں اس شخص کا فلاں ردعمل ہو گا۔[2]

انسانی شخصیت کی بنیاد دراصل اس کے عقائد ہوتے ہیں تو عقائد جتنے پختہ، درست، صالح اور تعمیری ہوں گے اتنی ہی شدت سے وہ انسان پر اثرانداز ہوں گے۔ دین فطرت کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت ہیں، قرآنی ابلاغ انسان کی نفسیات کو ان عقائد کے ساتھ اس طرح مربوط کرتا ہے کہ یہ عقائد پختہ ہو کر انسانی شخصیت کو اپنے ہی رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ دین اسلام کی تعلیمات عین حق و صداقت، عدل واعتدال اور دنیا و آخرت کے حسین امتزاج پر مبنی ہیں انسان کی متوازن تعمیر و تشکیل میں قرآنی ابلاغ اس کے ادراکی پہلو کے سلسلے میں عقائد کے مضبوط نظریات دیتا ہے، سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ توحید ہے اور یہ عقیدہ انسان پر زبردستی تھوپا نہیں جارہا بلکہ یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے اور اس کے نفس کی داخلی پیاس کا جواب ہے، انسان کے اندر ابتدائے آفرینش سے ہی ایک خدا کی طلب رہی ہے اور اگر وہ اس تلاش میں ایک بار بھٹک جائے تو انتہائی گمراہ کن عقائد و نظریات میں مبتلا ہو جاتا ہے، جبکہ ان تمام باطل، مبہم اور الجھے ہوئے غیر فطری نظریات کے برعکس قرآن حکیم ایک نہایت راست، واضح فطری اور عقل و فہم پر مبنی نظریہ اِلٰہ دیتا ہے ارشاد ربانی ہے: {فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ}[3] "اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے وہ بڑی بلندی والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بزرگ عرش کا مالک ہے"

{مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ}[4]

"نہ تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا جو اوصاف یہ بتاتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ پاک (اور بے نیاز) ہے"

قرآنی ابلاغ نہایت ہی منطقی اور مدلل طریقہ استدلال سے انسان کے قلوب واذہان میں توحید کا تصور راسخ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا واحد و یکتا ہونا، اس کا کسی بھی رشتہ میں منسلک نہیں ہونا، تمام مخلوقات کی بلا تفریق تمام ضروریات پوری کرنا، کائنات کے نظام کا باہم مربوط ہونا، انسانی تخلیق کے مراحل کہ کس بدبودار پانی سے اس کی تخلیق کے عمل کا آغاز ہوا وغیرہ ان سب دلائل سے انسانی نفسیات کو جھنجوڑتا ہے کہ وہ تدبر سے کام لے کہ اس کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ}[5] "اور بھلا کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین اور باخبر ہے "

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی اس آیت کریمہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں: آیت کریمہ میں فعل (یَعْلَمُ) کے لئے (مَن) فاعل کی حیثیت میں ہے اور مفعول مخذوف ہے۔ بمعنی کیا خالق اپنی مخلوق کا علم نہیں رکھتا یا اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا جس نے تخلیق کیا۔[6]

امام البیضاوی فرماتے ہیں :" الا يعلم السر والجهر من اوجد الاشياء حسبما قدرة حكمة، المتوصل علمه الى ما ظهر من خلقه وما باطن"[7] "ذات باری تعالیٰ بحیثیت خالق اپنی تمام مخلوقات سے باخبر اور آگاہ ہے وہ معدومات کا بھی علم رکھتا ہے، ظاہر و خفی، گویا تمام امور سے واقف ہے اور انسان بھی اس کی مخلوقات میں سے ہے جسے تمکن فی الارض کا اعزاز شرف و

تکریم کے ساتھ عطا کیا گیا، لہٰذا اس مخلوق کو راہ حق وہدایت سے وابستہ رکھنے کے لئے عقائد وافکار کی درستگی پر بہت زور دیا تاکہ وہ کسی طور پر گمراہی کا شکار ہو کر خسرانِ مبین کا سزاوار نہ ہو جائے"

ڈاکٹر نسیم صحر صمد اس ضمن میں لکھتی ہیں: عقائد وافکار کے ضمن میں اجزائے ایمانیات شخصیت کی تعمیر و تشکیل کی خشتِ اول ہیں، عقیدہ توحید ورسالت، کتب سماوی، ملائکہ اور اخروی حیات کا قلبی ولسانی اقرار مسلمان ہونے کی شرط اولین ہے، قرآن حکیم میں توحیدِ الٰہیہ پر ایمان اور شرک سے اجتناب کی تلقین موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تنزیہ، قدرت وملکیت، مشیت وعلم غیب، اس کی تحمید وتقدیس، برکت وجلال، سطوت وجبروت اور ہر مخلوق کے اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے مطیع ہونے کے مضامین بڑی تفصیل سے دلائل وشواہد کے ساتھ قرآن حکیم میں بیان کئے گئے ہیں۔[8]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {فَآمِنُواْ بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تُؤْمِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ}[9] "پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہو گا"

{وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ}[10] "اور کیا سبب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ رسول اللہ ﷺ تمہیں اپنے رب پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور وہ تم سے میثاق لے چکا ہے"

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :((ان تؤمن باللہ، و ملائکته، و کتبه، و رسله، والیوم الآخر، و تؤمن بالقدر خیه و شره))[11]

"کہ تو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر اور تو ایمان لائے اچھی اور بری تقدیر پر"

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں: اس امانت میں نہ صرف دنیا کی ہر چیز شامل ہے بلکہ خود انسان کا اپنا نفس بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے، لہٰذا جس طرح بقیہ اشیاء کا وہی تصرف مناسب ہے جو آقا کی مرضی کے مطابق ہو اسی طرح خود انسان کا جسم اور اس کی جان بھی خدا کی ہدایات کے مطابق استعمال ہونی چاہئیں، وحدانیت باری تعالیٰ کا اقرار دراصل اسی امانت کی ادائیگی کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم ہے۔[12]

ایمان باللہ کی ضرورت کو اس پس منظر میں بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ عالم ارواح میں عہدِ ربوبیت الٰہیہ قائم کرنے کے بعد دنیاوی زندگی میں اس پر عمل پیرانہ ہونا عہد کی خلاف ورزی اور خسران مبین کی دلیل ہے، شخصیت پر اس بات کا نہایت منفی اثر مرتب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کا مقصد حیات، خلافت و امانت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے۔ {قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ والأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيَّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللهُ فَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُونَ}[13]

"کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین میں سے رزق پہنچاتا ہے یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر اختیار رکھتا ہو اور جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور جو تمام امور کی تدبیر کرتا ہے"

قرآنی ابلاغ انسانی نفس وقلوب میں ربوبیت کا یہ مفہوم نہایت اچھی طرح اور وضاحت سے راسخ کرتا ہے اور اس تصور میں کوئی بھی کمی یا ابہام نہیں چھوڑتا، یعنی اللہ تعالیٰ کے تعارف میں صرف اسے کائنات اور انسان کا خالق قرار نہیں دیتا بلکہ وضاحت کے ساتھ یہ

بتاتا ہے کہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جو صرف خالق نہیں ہے کہ تخلیق کے بعد لاتعلق ہو گیا ہو بلکہ وہ تصرف، خبر گیری، اصلاح، حال واہتمام، تکمیل کے تمام تصورات و مفاہیم کی بنیاد پر فوقیت، سیادت، ملکیت وغیرہ جیسے تمام امور پر صادق آتا ہے۔ کائنات کے اس سارے نظام کو اللہ تعالیٰ چلا رہا ہے، وہی تمام مخلوقات کا واحد کفیل ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کی تمام صفات انسان کے اندر اس کے متعلق یہ تصور ذہن نشین کراتی ہیں کہ میرا رب میرے ایک ایک عمل سے باخبر ہے، ہر لمحہ مجھے دیکھ رہا ہے، علیم و خبیر، سمیع ورزاق ہے، وہی زندگی و موت دینے والا ہے اور موت کے بعد اس کے سامنے ہر عمل کی جوابدہی ہونی ہے۔ جو عقیدہ اپنے اندر اس قدر جامعیت، وسعت اور اکملیت کے تمام تر پہلوؤں کا بہترین امتزاج رکھتا ہو وہ انسانی شخصیت پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتا ہے انسان کو اپنے خالق و مالک کا صحیح ادراک ہوتا ہے جس سے بندگی کا احساس جاگزیں ہوتا ہے جو انسانی شخصیت میں عزت نفس و خودداری جیسے قابل تعریف جذبات پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ خدائے واحد رحمن پر یقین رکھنے ولا شخص اس کے سوا کبھی کسی اور کے سامنے نہیں جھکتا، نہ ہی کسی سے بھی خوف کھاتا ہے، نہ در در پہ جا کے اپنی حاجت روائی کے پاپڑ بیلتا ہے، یہ فلسفہ انسان کے اندر جرات و عزم اور خود اعتمادی پیدا کرتا ہے، یہ وہی خودی ہے جس کا ذکر اقبال نے کیا ہے، یہ تمام وہ مثبت اور سود مند احساسات ہیں جو کہ انسان کی نفسیات پہ گہری چھاپ لگاتے ہیں اور ایسے تمام نفسیاتی عوامل شخصیت کی متوازن تعمیر و نشو ارتقاء میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ توحید کے بعد رسالت کے عقیدہ کو قرآن حکیم میں انتہائی صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، تمام گذشتہ انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت اور کتب پر ایمان در حقیقت انسانی شخصیت کے فکری پہلو میں ایک تسلسل پر یقین پیدا کرنا تھا تاکہ کوئی شبہ برقرار نہ رہے اور انسان اس چشمہ فیض سے ہدایت کا سامان اور توشہ آخرت پورے وثوق کے ساتھ اکٹھا کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً}[14] "اور ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس دعوت کے ساتھ بھیجا"

حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ}[15] "تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے"

یعنی بنی نوع انسان کی رہنمائی کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اول انسان کی تخلیق سے ہی شروع کر دیا تھا اور اس کے بعد ہر دور میں ہر عہد کی قوم میں اپنے ہادی بھیج کر اس ہدایت کے عمل کو جاری رکھا تاکہ لوگوں کی رہنمائی کی جائے اور روز محشر لوگوں پر حجت قائم کی جا سکے۔ اور اس ہدایت کے سلسلہ کو قرآن حکیم اور حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کی صورت میں مکمل کر دیا، اب قیامت تک کے انسانوں کی فلاح و نجات کا یہی ایک واحد راستہ ہے، اس ضمن میں ڈاکٹر نسیم سحر صد لکھتی ہیں: حضور پر نور ﷺ کی شخصیت کو ایک مثالی درجہ پر فائز کر دیا گیا جو کہ ہر افراط و تفریط سے پاک، عدل و توازن کا حسین امتزاج، ہر کیفیت حیات کے لئے مؤثر لائحہ عمل کے ساتھ روشن اور منور، تمام انسانیت کے لئے رہنمائی کا سامان لئے کھڑی ہے۔ آپ ﷺ کو عطا کی جانے والی آخری کتاب قرآن حکیم عربی زبان میں حکمتوں سے معمور، فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے مزین، کلام رب العالمین جو کل ہدایت کا مخزن بن کر ہر کجی اور ہر عیب سے پاک، تمام نوع انسانی کی تاقیامت رہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا ہے۔[16]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے:

((فقال یا معاذ!تدری ما حق الل علی العباد وما حق العباد علی الله ؟ قال قلت: الل و رسوله اعلم، قال:"فان حق الله علی العباد ان یعبدو الله ولا یشرکو ا به شیئا، و حق العباد علی الله (عزوجل) ان لا یعذب من لا یشرک به (شیئا)"[17]

" پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ وہ کہتے ہیں، میں نے کہا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو شخص شرک نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دے"

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:((ذاق طعم الایمان، من رضی بالل الله ربّا، و بالاسلام دینا، و بمحمد ﷺ رسولا))[18]" اس نے ایمان کی حلاوت پالی جو کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے رب ہونے پر، اور اسلام کے دین ہونے پر، اور محمد ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے پر"

قرآن حکیم صامت ہے، حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس قرآن ناطق ہے، آپ ﷺ کی شخصیت قرآن حکیم کی ہی عملی تفسیر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات طیبہ کو بہترین اسوۂ حسنہ قرار دیا اور تمام مؤمنین کے لئے آپ ﷺ کی ذات اقدس سے محبت وعقیدت کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔ عقیدہ رسالت انسان کے لئے توحید کے بعد نہایت اہمیت کا حامل ہے اس کے بہت سے عقلی اور نقلی فوائد ہیں اس عقیدہ سے انسان کو باقائدہ ایک کسوٹی مل جاتی ہے، جیسا کہ پیغمبر کی صورت میں ہمیں کتابِ الٰہی کا ایک ماڈل مل گیا، دین فطرت کے تمام عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، اوامر ونواہی کا جو تفصیلی ڈھانچہ شریعت کے نام سے موجود ہے اس کی عملی شکل حضور نبی رحمت ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ تصور شخصیت پر بہت ہی عملی نوعیت کے اثرات مرتب کرتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی ایک بشر ہونے کی حیثیت میں یہ تمام امور بخوبی سرانجام دیئے تو باقی انسان بھی ایسا کرسکتے ہیں، یہ احساس انسان کو ذہنی ونفسیاتی طور پر آمادگی عمل کے لئے تیار کرتا ہے۔ توحید ورسالت کے بعد عقیدہ آخرت کلیدی حیثیت کا حامل ہے قرآنی ابلاغ اس عقیدہ کو بھی اپنے منفرد اسالیب سے اس قدر جامعیت سے بیان کرتا ہے کہ انسانی نفسیات میں یہ تصور اپنی جڑ پکڑ لیتا ہے جو کہ اسے راہ راست پر رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، قرآن حکیم متعدد مقامات پر موت ومابعث الموت، آثار قیامت، مناظر قیامت، سزا وجزا، جنت وجہنم کی تفصیلات سے آخرت کا مکمل نقشہ اس انداز سے کھینچتا ہے کہ نفس انسان کی گہرائی میں یہ سرایت کر جاتا ہے، جزا کا تصور اس قدر خوش کن اور سزا کا تصور اس قدر ہولناک بیان کیا گیا ہے کہ انسان اس خوشی و خوف کے احساس کی مزاحمت کر ہی نہیں سکتا جس کے اثرات اس کی شخصیت میں نظر آتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

{مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى}[19]"ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کو بامقصد پیدا کیا ہے اور ایک مقررہ مدت کے لئے بنایا ہے"

اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح طور پر فرمادیا کہ یہ کائنات بے مصرف ہر گز نہیں ہے اس کی تخلیق اور اس کا اتنا منظم طور پر چلنے والا نظام با مقصد طرز پر وضع کیا گیاہے، اور یہ سارا نظام دائمی نہیں ہے اسے رب العالمین نے ایک خاص مدت تک کے لئے بنایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو گی تب یہ سارا کارخانہ عالم ختم ہو جائے گا اور پھر روز جزا منعقد ہو گا۔

{إِذَا السَّمَاء انفَطَرَتْ---وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ---وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ---وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ }[20]"جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر ابل پڑیں گے۔ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی"

یہاں آثار قیامت بیان فرمائے گئے اور بھی کئی مقامات پر ان کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جس سے انسان کا دل کانپ اٹھتا ہے، انسان کا ذہن و نفسیات ان سب کے شدید اثرات محسوس کرتے ہیں، پھر ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: {يَوْمَ تُبَدَّلُ الأَرْضُ غَيْرَ الأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُواْ للهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ }[21]

"اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس دن پورا ہو گا جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین کر دی جائے گی یہ آسمان بھی بدل کر اور ہی آسمان ہو جائیں گے اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے"

{يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاء كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ }[22]"جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے کاغذوں کو طومار میں لپیٹ دیا جاتا ہے جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اسے پورا کر کے رہیں گے"

قرآن حکیم جس وضاحت و صراحت کے ساتھ عقیدہ آخرت کو بیان کرتا ہے، یہ انسان کی شخصیت کی تعمیر میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے، جوابدہی کا احساس، اچھے اعمال کا بہترین صلہ اور برے اعمال کی بدترین سزا جیسے امور انسانی نفسیات کو جھنجھوڑتے ہیں۔ یہ عقیدہ انسانی تعلقات کی ہر جہت اور انسانی شخصیت کے ہر پہلو کو اپنے مخصوص زاویہ نظر سے منظم کرتا ہے جس سے متوازن و معتدل تعمیر ہوتی ہے، اچھے اخلاق پروان چڑھتے ہیں، انسان برے اخلاق سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بن جاتا ہے اور حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے میں نہایت اطمینان و خوشی اور فرحت محسوس کرتا ہے اور حکم عدولی پہ خوفزدہ ہو کر تائب ہوتا ہے اور رجوع الی اللہ کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

2: کرداری پہلو:

انسانی شخصیت کی تعمیر اور نشوو ارتقاء اجزائے ایمانیات کی قلبی معرفت، زبانی اقرار اور ارکان اسلام پر عمل کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے، اور ان سب کی بنیاد اصولی طور پر صرف ایک ہے اور وہ ہے "تعلق باللہ"، انسان کی شخصیت کے ادراک و فہم میں عقائد کے تصورات واضح و راسخ کرنے سے جس کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے، پھر اس تعلق باللہ کا عملی مظاہرہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد کی صورت میں ہوتا ہے۔ میاں عبد الرشید اس ضمن میں لکھتے ہیں: عبادت حسن مطلق کی دلی قدردانی اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا ہے (تحمید یا تعریف کے صحیح معنی (Appreciation) ہی کے ہیں، تسبیح اس کا خامیوں سے پاک ہونے کا ادراک ہے) اور یہ انسانی روح کا خاصہ ہے، بقول اقبال عبادت اس ویرانہ کائنات میں ایک ساتھی کے لئے ایک ہمدم کے لئے انسان کی پکار ہے۔ انسانی انا

(Ego) منفرد اور غیور ہے وہ ہر ایک کے سامنے خود کو جھکا نہیں سکتی نہ ہی سب کے سامنے اپنا سینہ چیر کر دکھا سکتی ہے، ہر ایک کے سامنے با چشم گریاں، آہ و سوزاں نہیں کر سکتی ہے۔ روح صرف اسی کے حضور اپنے آپ کو اس انداز میں پیش کر سکتی ہے جو ہستی تمام صفات حسنہ کا مکمل صورت میں مجموعہ ہے، جو اس کی کمزوریوں اور خامیوں کی رازداں ہے، پھر انہیں نظر انداز کرنے اور معاف کرنے کا ظرف رکھتی ہے، اور اس کی تکمیل کی خواہاں ہے۔ ایسی ہستی کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جزو، کل کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، جزو کا کل کے سامنے جھکنا اس کے لئے کسر شان نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل کا ذریعہ ہے اور کل سے کم تر کسی ہستی کی ہم نشینی اس کی تسکین کا باعث نہیں بن سکتی، وہ کل کو اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا ہے وہ اس کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے۔ اور جب وہ کل کے حضور جذبہ عبودیت و عقیدت سے حاضر ہوتا ہے تو اس کے لئے کل کے رنگ میں رنگ جانا آسان ہو جاتا ہے، بے شک عبادت روحانی اور قلبی کیفیت ہے اس میں ایک سرور ہے مگر اس کی کوئی نہ کوئی عملی صورت تو ہو گی کیونکہ روح صورت کے بغیر جلوہ گر نہیں ہو سکتی صورت اور روح دونوں اپنی جگہ اہم ہیں کیونکہ صورت ہی روح کے اظہار کی ایک شکل ہے۔[23]

امام رازی عبودیت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: عربی لغت میں مادہ عبد سے العبودیۃ: الخضوع و التذلل۔[24]

العبادة: الطاعة مع الخضوع،(ان العبادة عبارة عن نهاية التعظيم و هى لا تليق الا بمن صدر عنه غاية الانعام)[25]

خضوع اور عاجزی کے لئے مستعمل ہے، عاجزانہ اطاعت گزاری، معبود برحق اللہ تبارک و تعالیٰ اور عبد کے باہمی تعلق کے لئے مستعمل عبادت۔ عبادت کی اصطلاح وسیع معنوں کی حامل ہے اور محض کسی ایک مظہر عبودیت مثلاً اقامت صلوٰۃ کے ساتھ اس کو لازم سمجھنا اس کے معنی و مفہوم کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: عبادت اور دین دونوں قریب المفہوم والمعنی ہیں، دین میں بھی خضوع و اطاعت اور عبادۃ میں بھی تذلل کا مفہوم مضمر ہے، اس سلسلے میں وہ تفصیلی بحث کرتے ہوئے حدیث جبرائیل کے ان الفاظ سے بھی استدلال کرتے ہیں "ھذا جبریل جاء کم یعلم دینکم" (یہ جبرائیل ہیں جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے) گویا یہ ایمان، اسلام، احسان یعنی کئی امور کی وضاحت پر محیط حدیث مبارکہ ہے جس میں ان تمام پہلوؤں کو دین کے زمرے میں شامل سمجھا گیا ہے چنانچہ تمام عقائد و ارکان اور دیگر شرعی احکامات دین کے زمرے میں ہی شامل سمجھے جائیں گے۔[26]

گویا عبادت کا مفہوم پورے دین کا ہی احاطہ کئے ہوئے ہے لیکن ظاہراً کچھ خاص امور یعنی ارکان اسلام کے لئے یہ لفظ بالخصوص بولا جاتا ہے، یعنی انسان کے تذلل، خشوع و خضوع، محبت و اطاعت سب کا محور و مرکز اللہ تعالیٰ ہے اور ان سب جذبات کا عملی اظہار عبادات کی صورت میں ممکن ہے، قرآن حکیم انسان کی مقصد پیدائش کے متعلق کہتا ہے: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ }[27] "اور ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں"

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ}[28] "اور اے نبی ﷺ! ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس کے پاس یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو"

{وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ }[29]"اپنے رب کی عبادت کیا کریں یہاں تک کہ آپ ﷺ کا آخری وقت نہ آجائے" اللہ تعالیٰ اِلٰہ ہے اور انسان عبد ہے تو عبادت و بندگی تو لازم و ملزوم ہیں، اپنے رب کے حضور عبادات کی بجا آوری للّٰہیت اور خشوع و خضوع سے ادا کرنے کے اثرات سب سے پہلے انسانی شخصیت پر ہی مرتب ہوتے ہیں، دلی سکون و اطمینان اور اجتماعی اثرات کے باعث اعتدال و توازن کی کیفیت بنتی ہے، یہ کیفیت نفس کے مجاہدہ، مستقل مزاجی، صبر و برداشت اور روحانیت کو جلا ملتی ہے۔ قرآنی ابلاغ تمام عبادات کی حکمت یہی بتاتا ہے کہ ان سے انسان کا تعلق مع اللہ مضبوط ہوتا ہے اور جب یہ تعلق مضبوطی سے استوار ہو جائے تو انسانی شخصیت کی نشوو ارتقاء کا لائحہ عمل بہترین طرز پر مکمل ہوتا چلا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے : {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي }[30]"اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو"

{وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا }[31]"وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور وہ اپنے رب کے مقبول بندے تھے"

{قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔۔۔الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ }[32]"وہ ایمان والے یقینا فلاح پائیں گے۔ جو اپنی نماز خشوع کے ساتھ پڑھتے ہیں"

{فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ۔۔۔الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ }[33]"پس تباہی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں"

ان آیات کریمہ میں نماز کے قیام پر فلاح کی نوید دی گئی تو اس کے ترک پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، قرآن حکیم میں تقریباً سات سو مرتبہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا، اس قدر تاکید انسان کے ذہن و نفسیات میں اس امر کی کلیدی اہمیت کا تصور راسخ کرتی ہے کہ یہ کس قدر لازمی امر ہے جس کا ادا کرنا حد درجہ لازم ہے، احادیث مبارکہ میں نماز کو دین کا ستون تو مومن کی معراج سے تعبیر کیا گیا۔ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے، اس ذات باری تعالیٰ سے مناجات کرنے اور گناہوں پر معافی مانگنے کا نام ہے جو کہ یقینی طور پر تعلق باللہ کو مضبوط کرنے کا باعث ہے۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کے احکامات آتے ہیں ارشاد ربانی ہے: {وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا }[34]"وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور وہ اپنے رب کے مقبول بندے تھے"

قرآنی ابلاغ نے زکوٰۃ و صدقات، انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق جس قدر تاکید کی ہے اس سے یہ عمل محض ایک مخصوص عبادت تک تو محدود رہا ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اہم اور مقبول عمل بن گیا۔ قرآن حکیم نے تو اس عمل کو ایک معاشی سرگرمی بنا دیا کہ جس میں انسان کی انفرادی ترقی اور اجتماعی نشوونما اور فلاح کے سنگ میل کی حیثیت حاصل کر لی۔ اور اس سلسلے میں انسانی نفسیات کو تحریک دینے کے لئے نہایت ہی منفرد اور اچھوتے انداز بیان کو اختیار کرتے ہوئے انسان کے خرچ کئے مال کو انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں خود ذات باری تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف قرار دے دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں صلہ و جزاء میں اضافہ کے لئے صرف ایک شرط رکھی گئی کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عزت و تکریم کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سرانجام دیا جائے، گویا انسانوں میں باہمی الفت و ایثار جیسے مثبت جذبات کی مضبوط بنیاد رکھ دی گئی، یہ جذبات انسانی شخصیت کی بہترین تعمیر اور نشوو ارتقاء کا باعث

ہیں جس کے ثمرات انفرادی سطح سے بڑھ کر اجتماعی ترقی و معاشرتی استحکام کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ دین فطرت میں روزہ بھی نہایت اہم رکن ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے : { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ }[35]"اے ایمان والو!تم پر روزے فرض کیئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے قبل امتوں پر فرض کیئے گئے تھے تا کہ تم متقی بنو۔"

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو انسانی شخصیت کی تعمیر میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے، اس عبادت سے انسان میں ضبط نفس پیدا ہوتا ہے جو کہ تزکیہ نفس کی بنیاد ہے، اور اس عبادت کی ایک منفرد خوبصورتی یہ ہے کہ اس عبادت کا صحیح علم صرف انسان کو اور اس کے رب کو ہوتا ہے، وگرنہ بقیہ عبادات کی ظاہری اشکال سے دوسروں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے مگر کوئی روزہ دار ہے یا نہیں ہے اس کا حقیقتاً علم انسان کے سوا اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ روزہ بذات خود ایک مشکل عبادت ہے اور بعض اوقات مشکل ترین شکل اختیار کر جاتی ہے مگر اس کے باوجود انسان اس عبادت میں کسی بھی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرتا اور اپنے رب کی رضا کی خاطر اس عبادت کو مکمل کرتا ہے، مجاہدہ نفس کی یہ مشق انسان کی نفسیات پر بہت مثبت اثرات مرتب کرتی ہے انسان اس کیفیت کے زیر اثر خود پر کنٹرول اور مشکل ترین حالات میں اپنے خالق و مالک کی رضا میں راضی رہنے کا سبق سیکھتا ہے، یہ سبق اس کے اندر خشیتِ الٰہی اور اطاعت الٰہی کے جذبات پیدا کرتا ہے جو کہ اس کی شخصیت کی نشوو ارتقاء میں نہایت اہم امر ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں حج بھی ایک اہم رکن ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُواْ فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُواْ اللّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّآلِّينَ۔۔۔ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔۔۔فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُواْ اللّهَ }[36]"تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔ پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو یقینا اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو"

حج ہر صاحب حیثیت مومن پر زندگی میں ایک بار ادا کرنا واجب ہے، یہ بدنی و مالی عبادت ہے اور افضل عبادت ہے جو کہ انسانی شخصیت میں بہت سی مثبت تبدیلیاں لانے کا باعث بنتی ہے، یہ عبادت بین الاقوامی اجتماعیت کی ایک بہترین مثال ہے کہ جس میں تمام دنیا سے آئے مؤمنین بغیر کسی امتیاز کے ایک ساتھ مل کر اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اس سے اجتماعی شعور ترقی پاتا ہے، مساوات، تکریم انسانیت اور بھائی چارہ جیسے جذبات انسان کی نفسیات میں راسخ ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم کی ان تعلیمات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ان عبادات کے قیام سے انسانی شخصیت میں انتہائی مثبت اور بہترین اوصاف پیدا ہوتے ہیں جن سے انسان کے جذبات میں ایک اعتدال اور ٹھہراؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، انسان زندگی کے ہر معاملے میں تعلق باللہ کو فوقیت دینے لگتا ہے، ایک انسان ایسے سماجی اور معاشی رویے سیکھتا ہے جو اس کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرہ پر بھی نہایت خوشگوار اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یہ عبادات مقامی، قومی اور بین الاقوامی محاذوں پر زندگی کی سرگرمیوں کو منظم و مرتب کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں، عقائد و افکار صالحہ کے ساتھ ہم رنگ ہو کر یہ عبادات انسانی شخصیت کا رخ تبدیل کر دیتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: جب انسان اپنے رب کو صحیح طریقہ پر پہچان لیتا ہے اور یقین حاصل کر لیتا

ہے کہ تمام چھوٹی بڑی نعمتیں اس کے ظاہر و باطن پر اسی کی جانب سے فائض ہوتی ہیں اور یہ کہ اس کا منعم جل شانہ، جو اپنے انعام و کرام سے اپنے بندوں کو سرفراز فرماتا ہے، شرافت و بزرگی کے لحاظ سے تمام دوسرے محسنوں اور منعموں اسے اس قدر بڑھا ہوا اور بالاتر ہے کہ انسان کے لئے اپنی محدود عقل سے اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے تو اس کے دل میں خود بخود اپنے منعم حقیقی کے لئے محبت پیدا ہو جاتی ہے، جس کے ساتھ اس کی عاجزی اور انکساری اور اس کے دل میں اپنے رب کی پوری تعظیم اور کامل ادب شامل ہوتا ہے۔ جب انسان اپنے محسن و مربی کی محبت میں سرشار ہوتا ہے اور یہ محبت و دل بستگی اس کی رگ و پے اور خون میں روح کی طرح دوڑنے لگتی ہے تو وہ ایک حال کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو بے ارادہ اور بغیر استدلال فکر و نظر کے قلب پر طاری ہوتا ہے۔ راہ محبت اور منزل عشق میں منطقی دلیل و برہان اور عقلی توجیہہ کا سہارا لینا کج روی اور منزل مقصود سے گمراہی کے مترادف ہے اور اس فطرت سے انحراف و اعراض ہے جو قلب کی واردات اور احوال کا تقاضا کرتی ہے۔[37]

قرآنی ابلاغ انسان کی شخصیت کو اس انداز میں ڈھال دیتا ہے کہ جس میں اس پہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی رنگ چڑھ جاتا ہے اور وہ ہر حال میں راضی بالرضا کی عملی تصویر بن جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدونَ}[38] "اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہو گا، ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں"

ڈاکٹر نسیم سحر صمد لکھتی ہیں: قلب و باطن کی صفائی شخصیت پر {صِبْغَةَ اللهِ} یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ کی پختگی کا باعث بنتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معبود حقیقی کی قربت میسر آتی ہے، جو اس کے مقصد حیات اور نصب العین کو قریب تر کر دیتی ہے۔ ان تمام عبادات میں جو حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں وہ اس کے شعور و ادارک کی ایک خاص منہج کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، اس کی شخصیت پختہ ہو کر اس کی ذہنی استعداد کو مہمیز دیتی ہے، چنانچہ انسان اپنی آخرت کے لئے زیادہ نیکیوں کے حصول میں مستعد اور مگن ہو جاتا ہے وہ دنیا میں تو رہتا ہے مگر دنیا کا ہی ہو کر نہیں رہتا ہے۔ حیوۃ الدنیا میں {فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ}[39] پس نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کرنے کا حکمِ الٰہی انسان کو سہل پسندی، تن پروری کا خوگر اور مشقت سے بھاگنے والا نہیں بناتا بلکہ اعمال خیر میں سبقت اس کی اپنی بھلائی اور صلاح و فلاح کا باعث بنتی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے فضل کا حصول ممکن ہو جاتا ہے، اجتماعیت کے ساتھ وہ ربط و تعلق مستحکم ہو کر سامنے آتا ہے جو اسلامی معاشرہ کی عمرانی صحت و فلاح کے لئے از حد ضروری ہے اور یہی اسلامی تعلیمات کا مقصود و مطلوب ہے جس کی وجہ سے معاشرہ صالح افراد کی ایسی آماجگاہ قرار پاتا ہے جو ہمہ وقت مستعد، اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر جان کی بازی لگا دینے والے اور ابطال باطل کے لئے مصروف عمل رہنے والے ہوتے ہیں، جن پر معبود حقیقی اپنے معزز فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے۔[40]

یعنی عقائد و افکار اور عبادات پر دوام انسان کی شخصیت کے ادراکی و کرداری پہلوؤں کی نہایت معتدل اور متوازن انداز میں تعمیر کرتا ہے جو شخصیت کی نشوو ارتقاء کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر عثمان نجاتی انسانی شخصیت کے توازن کے ضمن میں مادی اور روحانی پہلوؤں میں اعتدال کے متعلق لکھتے ہیں: اسلامی تعلیمات انسانی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں اور اس طور پر انسانی لذتوں کا حصول بھی نہایت اچھی شکل میں انجام پاتا ہے، اسلام نے جسم اور روح کے تقاضوں کے درمیان اعتدال اور توازن کا جتنا خیال رکھا ہے اس کا اندازہ کچھ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے فرائض اور ذمہ داریاں جس میں انسان کو ضرر اور مشقت لاحق ہوا نہیں ترک یا

مؤخر کرنے کی اجازت دی گئی مثلاً مسافر اور مریض کو رمضان کے روزوں سے رخصت دی گئی اسی طرح حالت مرض میں اگر پانی کا استعمال باعث نقصان ہو تو ترک وضو اور استثنائی صورت تیمم کی اجازت دی گئی۔[41]

ارکان خمسہ عبادات، جسمانی اور مالی ہر دو اجزاء کا مرکب ہیں، یہ ارکان اسلام خارجی اور داخلی دونوں اعتبار سے تعمیر و تشکیل شخصیت اور اس کی نشوو ارتقاء میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اقرار باللہ اور عبادت الٰہیہ کے تمام لوازمات کو پورا کرنے سے ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، جاہلیت کے خوگر عربوں کو بدلنے میں ایمان باللہ کا بڑا عمل دخل ہے۔ اہل عرب قبول اسلام کر کے دور جاہلیت کے بہت سے عادات و اخلاق سے دست کش ہو گئے اور ان کی عقلیں جہل و خرافات سے آزاد ہو گئیں اور ان کے دل ان بہت سی چیزوں کے خوف سے آزاد ہو گئے جن سے اکثر لوگ عموماً ڈرا کرتے تھے، ان کے دلوں سے موت اور فقر کا خوف، مصائب دھر کا خوف اور لوگوں کا خوف ختم ہو گیا اور وہ امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔[42]

3: جذباتی پہلو:

قرآنی ابلاغ انسانی شخصیت کی تعمیر میں اس کے تمام پہلوؤں کی تربیت کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے، اس ضمن میں بہت مضبوط افکار پیش کرتا ہے جیسا کہ عقیدہ توحید کی دعوت، حیات اور فکر و نظر کے نئے اسالیب اور نئے اقدار کی تعلیم، انسان اور معاشرہ کے لئے فلاح و بہبود کے ضامن کردار و عمل کی رہنمائی اور انسانی نفس کی ان خطوط پر تربیت اور نشوو ارتقاء کے لئے ان نظریات کو لوگوں کے قلوب و اذہان میں راسخ کر دیتا ہے۔ روزمرہ معمولات زندگی میں انسان کو مختلف نوعیت کی کیفیات اور صورتحال سے واسطہ پڑتا ہے جن سے نبرد آزما ہونے کے لئے انسان کی جذباتی کیفیات اس کی شخصیت کے رویے طے کرتی ہیں۔ محبت، غصہ، خوف، نفرت و ناپسندیدگی، حسد، غیرت، تکبر، خودپسندی اور اسی طرح کے بہت سے جذبات و احساسات کے اظہار کے مواقع آتے ہیں، قرآنی ابلاغ شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اس پہلو کے متعلق بھی انسان کی رہنمائی کا بھرپور انتظام کرتا ہے، اس ضمن میں ہم ان چند اہم پہلوؤں کا جائزہ لیں گے کہ قرآن حکیم کن اوصاف سے انسانی شخصیت کو آراستہ فرما کر اس کی تربیت کرتا ہے۔

1: اخلاص:

ابن منظور لکھتے ہیں: عربی لغت میں اخلاص کسی چیز کو دوسری ایسی تمام چیزوں سے پاک وصاف کرنے کا نام ہے جو کہ اس کو مکدر اور خراب کرنے والی ہوں۔[43] ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشَّارِبِينَ}[44] "تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بہت خوشگوار ہوتا ہے "

یعنی ایک چیز جو ہر قسم کی آلائش سے پاک وصاف ہو جاتی ہے اسے اخلاص کہا جاتا ہے ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے : {وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي}[45] "اور پھر بادشاہ نے حکم دیا، یوسف کو میرے پاس لاؤ میں اسے خالص اپنے لئے رکھوں گا "

یعنی کسی بھی شے کو خاص کر لیا جائے، کسی مخصوص عمل یا ارادے سے خاص رکھ لیا جائے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: تمام عقائد و اعمال کی عند اللہ مقبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہی ہے، اخلاص کی ضد اشتراک (شریک کرنا)، نفاق اور ریا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان مخلصانہ نہ ہو تو وہ کسی کام کا نہیں اور اگر کوئی صالح عمل دنیوی اغراض سے پاک نہ ہو تو وہ عند اللہ مقبول نہیں گویا اخلاص ماسوا اللہ تعالیٰ سے بے زار ہونے کا نام ہے۔[46]

قرآن حکیم اخلاص کو انسان کی نفسیات میں اس طرح راسخ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کے شرک سے پاک وصاف ہو کر اپنا رب مانتا ہے، اور اپنی نیت کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مختص کر دیتا ہے جس میں ہر عمل کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے، یہ سوچ انسان کی زندگی کے تمام معاملات پر نہایت مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اور بہت سے منفی جذبات کے خاتمہ کا باعث بنتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ}[47] "اے لوگو! یاد رکھو کہ اطاعت خالص اللہ تعالیٰ ہی کی ہونی چاہئے "

> {إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ}[48] "اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اسی کی عبادت کریں"

علامہ امین احسن اصلاحی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی اس کی خالص اطاعت کے ساتھ کرو، اطاعت خاص کا سزاوار اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی سب کا خالق و پروردگار ہے تو وہی سب کی عبادت کا بھی حقدار ہے اور جو عبادت کا حقدار ہے وہی اطاعت کا بھی حقدار ہے، یہ بالکل بے تکی بات ہے کہ عبادت کسی اور کی تو اطاعت کسی اور کی کی جائے، جس طرح عبادت کا خالص ہونا ضروری ہے اسی طرح اطاعت کا بھی خالص ہونا اشد ضروری ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی اطاعت ہرگز بھی جائز نہیں ہے۔[49]

قرآن کریم کتنی صراحت کے ساتھ انسان کو یہ حقیقت ذہن نشین کرا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف رب مان کر اس کی عبادت کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے ہر عمل میں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، دین فطرت محض عبادات کا مجموعہ نہیں ہے یہ ایک مکمل نظام حیات ہے، عبادات بھی اپنی حکمتوں میں انسانی حیات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ تو کرتی ہیں، مگر ان کے ساتھ ساتھ انسان کے تمام جذبات واحساسات اور افعال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے جو کہ مکمل اخلاص پر مبنی ہو۔ یہ تصور انسان کے قلب میں جگہ بنالے تو اس کی شخصیت ایک مثالی نمونہ سے تعبیر کی جاسکتی ہے، قرآنی ابلاغ انسان کو تحریک و ترغیب دینے کے لئے اخلاص پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کی خوشخبری بھی سناتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے : {إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ۔۔۔أُوْلَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ۔۔۔فَوَاكِهُ وَهُم مُّكْرَمُونَ۔۔۔فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ}[50] "مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان کے لئے معلوم رزق ہو گا، پھل اور میوے ہوں گے اور وہ نہایت عزت سے رہیں گے نعمت کے باغات میں"

انسانی نفس پر جس طرح انعام کی خبر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح برے انجام کا خوف بھی اثر انداز ہوتا ہے، لہٰذا قرآن حکیم خوشخبری کے ساتھ انہیں خوف بھی دلاتا ہے کہ رب تعالیٰ کی حکم عدولی کی صورت میں انہیں عذاب بھگتنا ہو گا، ارشاد ربانی ہے: {إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا۔۔۔إِلاَّ الَّذِينَ تَابُواْ وَأَصْلَحُواْ وَاعْتَصَمُواْ بِاللَّهِ وَأَخْلَصُواْ دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُوْلَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا}[51] "بے شک منافق

یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مدد گار پالے۔ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دینداری کریں وہ یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا"

قرآنی ابلاغ انسانی شخصیات میں ایسا اخلاص چاہتا ہے جس میں تمام امور اطاعت و مراسمِ عبودیت صرف خدائے واحد رحمن ہی کے لئے سرانجام دیئے جائیں، یعنی تمام عقائد و عبادات، طاعات کو کفر و شرک، نفاق اور ہر طرح کی دنیوی اغراض کی آمیزشوں اور ملاوٹوں کی کھوٹ سے پاک رکھا جائے، یہ تصور بذات خود پاکیزگی و اخلاص لئے ہوئے ہے کہ انسان پوری ایمانداری سے خود کو رب کی رضا کے لئے وقف کر دے۔ یہ تصور انسان کی نفسیات و قلب میں اتنے مثبت اثرات مرتب کرتا ہے کہ اس کی شخصیت سر تا پاؤں بدل جاتی ہے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کی حیات اس بات کا عملی ثبوت ہیں اور ان ہستیوں کے بعد بھی ہر دور میں مسلم امۃ میں ایسے خوش بخت انسان موجود رہے ہیں۔

2: خشیتِ الٰہی:

ابن منظور لکھتے ہیں: عربی لغت میں "خاف، یخاف، خوفا و خیفة و مخافة: الفزع"[52] یعنی خوفزدہ ہونا اور گھبرانا، اس کے لغوی معنی یہ ہیں کہ انسان کے دل میں کسی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیز کے واقع ہونے کا خطرہ اور اندیشہ پیدا ہو۔

بنی نوع انسان کے طبعی جذبات و احساسات میں خوف کا عنصر بھی شامل ہے۔ امام بیضاوی خوف و حزن کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فالخوف على المتوقع والحزن على الواقع"[53]

"مستقبل میں متوقع امر کا خدشہ خوف کہلاتا ہے اور وقوع پذیر ہو جانے والے امر سے حزن و ملال سے وابستہ ہوتا ہے"

علامہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: قلب کا دردناک ہونا ایسی چیز کے خیال میں جو ناگوار طبع ہوں اور آئندہ ہونے کا اندیشہ ہو اسے خوف کہتے ہیں۔[54]

علامہ اشرف علی تھانوی کے مطابق خوف یا خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات مطلوب نہیں ہے وہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے یہ استدلال کرتے ہیں آپ کا فرمان ہے: ((الھم انا نسئلک من خشیتک ما تحول به بیننا و بین معاصیک)) "اے اللہ ہم تجھ سے ایسے خوف کی طلب کرتے ہیں جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے"

کہ خوف کی ایک حد ہے کہ جس میں انسان حکمِ الٰہیہ کے مطابق معصیت سے مانع ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ خوف اگر اس سے زیادہ ہو جائے تو وہ محمود نہیں ہے، خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو یہاں تک کہ رجاء نہ رہے اور نا امیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے کیونکہ اگر محض خوف کا غلبہ ہو تو خوف کے غلبہ سے تعطل ہو جاتا ہے اور تعطل سے ترقی نہیں ہوتی اور نہ ہی مقصود حاصل ہوتا ہے۔[55]

قرآنی ابلاغ کا نفسیاتی اعجاز ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے فطری جذبات و احساسات کو نہ تو دباتا ہے نہ ہی کچلتا ہے اور نہ ہی کسی فطری جذبہ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس کا انکار کرتا ہے، نہ ہی ان کو بے لگام چھوڑتا ہے بلکہ ان کو صحیح راہ دکھاتا ہے۔

خوف کی کیفیت بھی ایک جذباتی کیفیت ہے جو انسانی شخصیت پر گہرے اثرات رکھتی ہے لہٰذا اسے مثبت رخ دے کر شخصیت کی تعمیر میں اہم عنصر بنایا جاسکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{فَلاَ تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي} [56] ''پس تم ان سے نہیں ڈرو اور صرف مجھ سے ہی ڈرو"

{فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ} [57] "پس تم ان (کافروں) سے نہ ڈرو اور صرف میرا خوف رکھو اگر تم موم خشیتِ الٰہی کا یہ جذبہ انتہائی تعمیری ہے، ایک تو اس سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا بھی کوئی خوف انسان کے دل میں باقی نہیں رہتا جس سے وہ گھبراہٹ، الجھن اور مجبوری جیسی کیفیات سے محفوظ رہتا ہے اور دوسری جانب اس جذبہ کے تحت معصیت سے بچا رہتا ہے، یعنی یہ جذبہ انسانی شخصیت میں ترک معصیت اور اطاعت الٰہی کے جذبات پیدا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے : {وَإِذَا سَمِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ} [58]

”اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرنے والے ہیں "

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :((عن ابی عباس رضی الله عنهما قال: قال ابوبکرؓ یا رسول الله ﷺ قد شبت؟ قال شیبتنی هود، والواقعه، والمرسلات، و عم یتساؤلون، و اذالشمس کورت)) [59]

"حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے سورۃ ہود، واقعہ، مرسلات، عم، یتساؤلون، اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے" ابو عیسیٰ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

قرآنی ابلاغ کی تاثیر سے انسان میں یہ خشیتِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کا اظہار قرآن و سنت کی تعلیمات سے ہو رہا ہے، اور یہی جذبہ انسان میں جوابدہی کا احساس پیدا کر کے اسے اخروی حیات کی تیاری پر اکساتا ہے، پھر جو لوگ اس جذبے کے تحت زندگی گزارتے ہیں ان کے لئے قرآن حکیم کامیابی کی نوید بھی دیتا ہے ارشاد ربانی ہے: {وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ} [60] "اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اسے جنت میں دو باغ ملیں گے "

{أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ}[61]"آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے "حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:((من خاف ادلج و من ادلج بلغ المنزل الا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجن))[62]"یعنی جو ڈرتا ہے وہ رات سے ہی چل پڑتا ہے اور جو مائل بہ سفر ہوتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے" ابو عیسیٰ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

قرآنی ابلاغ اس جذبہ کو بلیغ انداز میں بیان کرتے ہوئے انسان میں ایسی نفسیاتی کیفیت پیدا کرتا ہے جس کے تحت انسان کا مطلوب اللہ تعالیٰ کی اتباع بن جاتا ہے جس کا صلہ جنت کی اخروی نعمتیں ہیں، کامیابی کے حصول کی یہی رغبت قرآن حکیم انسان کی شخصیت میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

3: امید ورجائیت:

قرآنی ابلاغ جس شخصیت کی تعمیر کرتا ہے وہ زندگی کے ہر معاملے میں امید ورجا سے بھرپور ہوتی ہے اس میں مایوسی یا قنوطیت جیسے منفی عوامل موجود نہیں ہوتے اور اگر مشکل حالات یا ناکامیوں کے باعث ایسے منفی جذبات پیدا ہو بھی جائیں تو اللہ تعالیٰ سے کبھی نہ ختم ہونے والی امید کی کیفیت ان عوامل کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ امام غزالی کہتے ہیں: جاننا چاہئے کہ رجا کے ساتھ عمل کرنا خوف کے ساتھ عمل کرنے سے اعلیٰ اور عمدہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قریب وہی انسان ہوتا ہے جو سب سے زیادہ محبت الٰہی رکھتا ہو اور محبت زیادہ امید سے پیدا ہوا کرتی ہے، اس کو ایسے سمجھو کہ دو بادشاہوں میں سے ایک کی خدمت لوگ اس کے ڈر سے کریں اور دوسرے کی خدمت اس کے احسان کی امید میں کریں تو ظاہر ہے کہ محبت دوسرے کے ساتھ ہی زیادہ ہو گی۔[63]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ}[64]"اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا یقیناً رب تعالیٰ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہوں"

قرآنی ابلاغ کس قدر خوبصورت اور بلیغ پیرائے میں انسانی شخصیت کے اندر سے مایوسی جیسے منفی جذبہ کا جڑ سے خاتمہ کر رہا ہے، ایک تو یہ تاکید کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا اور اس پر اضافہ یہ ہے کہ اس ذات بابرکت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں، یعنی یہ بات تو کسی بھی مومن کی شان سے ہی بعید ہے کہ وہ اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو جائے، اب یہاں خطاب صرف صالح اور باعمل مؤمنین کے لئے نہیں ہے وگرنہ یوں کہا جاتا کہ اس کی رحمت سے صرف گناہگار مایوس ہوا کرتے ہیں مگر فرمایا گیا کہ بس کافر مایوس ہوتے ہیں، مومن تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھتا ہے اور کبھی بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، کیونکہ مومن کا جو رب ہے وہ اس قدر عظیم الشان، مہربان اور بااختیار ہے کہ انسانی محدود عقل اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتی تو ایسی ہستی کی رحمت سے مایوسی کا سوال ہی نہیں اٹھتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے :{اللهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ}[65]" اللہ تعالیٰ وہ زندہ و جاوید ہستی ہے جو تمام (کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے) وہ زندہ ہے اور سب کا قائم رکھنے والا ہے"

{أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاء الْأَرْضِ أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ}[66]

”بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے؟ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور کون اس کی تکلیف دور کرتا ہے؟ اور کون تم کو اگلوں کا جانشین بناتا ہے؟ (یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے) تو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ ہرگز نہیں مگر تم بہت کم غور کرتے ہو“

قرآن حکیم انتہائی مضبوط بنیاد پہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و اختیار کو انسان کے ذہن نشین کرتا ہے، کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے وہ انسان کی سوچ و گمان کی حدود سے کہیں بڑھ کر طاقتور اور تصرف رکھنے والی ہے، وہ ہمیشہ سے ہی زندہ اور قائم ہے اور ہمیشہ رہے گی، اس قدر زبردست قوت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک انتہائی مہربان رب بھی ہے جو کہ اپنی مخلوق کی تمام تر ضروریات و حاجتوں کو پورا کرتا ہے، وہ انہیں کسی بھی مشکل میں بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا، ان کی دعائیں و مناجات سنتا ہے ان سے تکالیف و مصائب کو دور فرماتا ہے اور اہم بات یہ کہ وہ کسی بھی قسم کے ظاہری حالات کا پابند نہیں ہے وہ کسی بھی وقت کبھی بھی کر سکتا ہے کیونکہ فاعل خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن حکیم ان تمام حقائق کو اس طرز پر بیان کرتا ہے کہ انسانی نفسیات اس ابلاغ کی تاثیر کی مزاحمت کر ہی نہیں سکتی، اور اتنی مہربان پیشکش کے بعد مایوسی کی کوئی گنجائش انسان کی شخصیت میں نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کی شخصیت امید، جوش، ولولہ اور مثبت خیالات سے مزین ہوتی ہے، اعداد و شمار کے مطابق دوسری اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں میں خودکشی کا رجحان انتہائی کم ہے کیونکہ ان کے پاس امید کی دولت نہیں ہے جبکہ مومن کے پاس اپنے خالق و مالک سے امید کی نوید ہے۔

4: صبر:

ابن منظور لکھتے ہیں: صبر کے لغوی معنی روکنے اور سہارے کے ہیں۔[67]

قرآن حکیم انسانی شخصیت میں صبر کا جذبہ پیدا کرتا ہے تربیت نفس، شخصیت کی قوت، مشکلات انگیزی، مصائب و آلام، زمانہ سے نبرد آزما ہونے اور اسلام کی سربلندی کی راہ میں برسرِ پیہم کوشش و سعی کرنے کی قوت و حوصلہ جیسے فوائد صبر ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ڈاکٹر امین لکھتے ہیں: صبر سے مراد اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ ثابت قدم رکھنا ہے، شرعی اصطلاح کے لحاظ سے صبر اس قوت، کیفیت اور اس حالت کا نام ہے جو انسان کو نفسیاتی خواہشات پر چلانے اور شیطانی مطالبات کو ماننے سے روک دیتی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عوام الناس میں جو آج کل محض مصائب و آلام میں جزع و فزع نہ کرنے کو صبر کہا جاتا ہے تو یہ محض صبر کا جزوی اور ناقص مفہوم ہے ورنہ طاعات و عبادات میں صبر (یعنی اپنے آپ کو ان پر روکے اور جمائے رکھنا، ان پر مستقل مزاجی سے عمل کرنا) اور ممنوعات و محرمات پر صبر (یعنی شیطان کی طرف سے برائی کی انگیخت کو روکنا اور نیکی کے راستے پر ثابت قدمی سے جمے رہ کر اپنے آپ کو برائی سے روکنا) بھی صبر کے اس وسیع تر مفہوم میں شامل ہے، گویا معافی کے ترک اور طاعات پر عمل کا انحصار صبر پر ہی ہے۔[68]

صبر کی اسی جامعیت اور ہمہ گیر اثرات کی بنا پر حضور نبی کریم ﷺ نے اسے نصف دین قرار دیا ہے۔[69]

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ}[70] ”صبر اور نماز سے مدد لو“

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ}[71] ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ}[72] ''اے ایمان والو! صبر سے کام لو باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے "

قرآن حکیم اس انداز سے انسانی شخصیت میں قوت ارادی کو پیدا کرنا چاہتا ہے، صبر اور استقامت دونوں قوت ارادی سے مربوط ہوتے ہیں، صابر شخص قوی الارادہ ہوا کرتا ہے اس کے عزم میں کمزوری یا اس کی ہمت میں پستی نہیں آتی، خواہ کتنی ہی مشکلات اور رکاوٹیں کیوں نہ درپیش ہوں۔ قوت ارادی کے بل پر عظیم الشان کاموں کی انجام دہی اور بلند مقاصد کی تکمیل ممکن ہوتی ہے اور ایک مومن کے لئے صبر اس طرح بھی کچھ سہل ہو جاتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ مشکلات اس کے رب کی طرف سے ابتلاء و آزمائش ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

{وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ}[73] ''اور ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں سے کون مجاہد اور کون ثابت قدم ہے"

{وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ---الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ---أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ}[74] ''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے، اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔ جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی رحمتیں اور نوازشیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"

انسانی شخصیت کی تربیت میں یہ عنصر راسخ کیا جارہا ہے کہ اسے مشکلات و مصائب زمانہ کو خندہ پیشانی سے جھیلنا آجائے، نہ کہ ایسا ہو کہ انسان مشکل پر بالکل ہی ڈھے جائے اور ذہنی پریشانی اس کی مصیبت کو اور بھی بڑھادے، کیونکہ مسئلے کا حل پریشان ہونے سے نہیں ملتا اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھ کر مسئلہ کا سامنا کرنے سے وہ حل ہوتا ہے۔ اور یہی کیفیت قرآن حکیم پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس سے انسان کو اپنی شہوات اور منفی جذبات پر بھی صبر کرنا آجاتا ہے جس سے اس کی شخصیت پختہ، مکمل، متوازن، نتیجہ خیز اور فعال ہو جاتی ہے، وہ بے جا قلق اور نفسیاتی اضطراب سے محفوظ رہتا ہے، اس کے اندر بلند حوصلگی اور مضبوط قوت ارادی پیدا ہوتی ہے، ارشاد ربانی ہے :{إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ} [75]''اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے"

یہ آیت کریمہ خدائے واحد بزرگ و برتر پر ایمان رکھنے والوں کے لئے نہایت جرات و ہمت اور عالی حوصلہ کی دلیل ہے قرآنی ابلاغ کا ترغیب دینے کا یہ انداز شخصیت میں حد درجہ استقامت پیدا کرنے کا باعث ہے، ڈاکٹر عثمان نجاتی لکھتے ہیں: صبر سے انسان کے اعمال میں استقامت اور علمی و عملی مقاصد کی تکمیل کے لئے جدوجہد اور کاوش کی تعلیم دیتا ہے، انسانی حیات کے بیشتر مقاصد خواہ سیاسی، سماجی، اقتصادی ہوں، ان کے حصول کے لئے طویل اور سخت مضنت کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی لئے محنت پر استقامت اور عملی مشکلات پر صبر کامیابی سے ہمکناری اور مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری اوصاف میں شمار ہوتا ہے۔[76]

5: شکر:

ابن منظور لکھتے ہیں: شکر کسی نعمت واحسان پر منعم و محسن کی مدح وثناء اور حق نعمت و احسان ادا کرنے کا نام ہے۔[77]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے تعلق کی پہلی اساس شکر ہے انسان اپنے خالق و مالک کی بخشی ہوئی عنایات و نوازشات پر تہہ دل سے اس کا شکر گزار ہو اور ہر حال میں شاکر رہے، امام غزالی لکھتے ہیں: شکر کا پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی منعم و محسن اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اپنے رب کے احکامات اور ایمان کے موافق عمل کرے اور یہ عمل قلب و زبان اور اعضاء سب سے متعلق ہے، دل سے تو یہ چاہئے کہ خیر کا قصد کرے اور تمام خلق کے حق میں خیر کی نیت اور خیر کا سلوک کرنے کا ارادہ خفیہ رکھے اور زبان سے اظہار تشکر جیسے الفاظ حمد وثناء سے جو شکر پر دلالت کرتے ہوں، ان کو ادا کرتا رہے۔ اور دوسرے اعضاء سے اس طرح کہ ان نعمتوں کے دینے والے کی اطاعت میں ہی ان نعمتوں کو لگا دے اور ان کے ذریعہ سے اس کی نافرمانی میں مدد نہ لے مثلاً ادائے شکر یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کوئی عیب دیکھے تو اس کو چھپائے، اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ جو عیب کسی بھائی کا سنے اسے افشانہ کرے، اور زبان کا شکر یہ ہے کہ ایسے الفاظ منہ سے نکالے جن کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی ہونے کا عندیہ ملتا ہو اس طرح کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور اسی کا حکم بھی ہے۔[78]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاشْكُرُواْ لِي وَلاَ تَكْفُرُونِ} [79]''میری نعمتوں کا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو"

{وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ} [80]''اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو اجر دے گا "

{وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ} [81]''اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے "

قرآنی ابلاغ انسانی شخصیت کی تعمیر میں شکر کے عنصر کو بہت اہمیت دیتا ہے، تمام انسانوں کو یہی تلقین کی جا رہی ہے اور شکر گزاری نہ کرنے والوں کو عذاب کی بھی وعید دی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: {وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ} [82]''اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے "یعنی شکر کوئی اضافی جذبہ نہیں ہے بلکہ اہم جذبہ ہے جس سے شخصیت کا متصف ہونا لازمی امر ہے قرآن حکیم انبیاء ورسل ؑ کو بھی شکر گزاری کی تلقین کرتا ہے ارشاد ربانی ہے : {اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ} [83]''اے آل داؤد! شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہوتے ہیں"

حضور نبی کریم ﷺ خود سب سے زیادہ شکر ادا کرنے والے تھے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے :((عن عائشہ رضی اللہ کان رسول اللہ ﷺ اذ اصلی قام حتی تفطرت رجلاہ قالت عائشہ، یا رسول اللہ ﷺ! اتصنع ھذا و قد غفرانک ما تقدم من ذنبک وما تاخر؟ فقال یاعائشہ افلا اکون عبدا شکورا))[84] ''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (تہجد کی) نماز میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں سوج جاتے تھے، اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جب آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے گئے ہیں تو آپ ﷺ عبادت میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"

انسانی جذبات میں سے شکر ایک ایسا مثبت جذبہ ہے جو انسانی نفس میں اطمینان و سکون پیدا کرتا ہے، لہٰذا اس کو صرف رب کی ذات تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا دائرہ تمام انسانی حیات تک وسیع کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں شکر گزاری کے علاوہ انسانی معاملات میں اس وصف کی تلقین کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے : {وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ}[85] ''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کی (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے "

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((من لا يشكر الناس لا يشكر الله))[86]

"حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا" یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قرآنی ابلاغ انسان کی نفسیات میں یہ تصور راسخ کر دیتا ہے کہ انسانی نفس ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسانات و انعامات کے اعتراف کے جذبہ سے سرسبز و شاداب رہے، دل میں جب شکر کا یہ احساس ہو گا تو آدمی کی زبان سے احسان کے کلمات اظہار کی صورت میں نکلیں گے اور عملی اظہار اس کے کردار سے ظاہر ہو گا، اعمال سے اس کے اظہار کا مطلب یہ ہو گا کہ انسان کو ہر وہ عمل محبوب ہو جائے جس سے اس کے جذبہ شکر کو تسکین حاصل ہو اور ہر اس عمل سے نفرت ہو جائے جس سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناقدری ہوتی ہو۔ شکر کا نتیجہ رضائے اِلٰہی اور جنت کی نعمتیں ہیں رضائے اِلٰہی کے حصول کی خاطر ہی حضور نبی کریم ﷺ خود کو بہت تھکایا کرتے تھے، فکر آخرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کا ہر حال میں شکر ادا کیا جائے شکر ادا کرنا عین دانائی ہے، قناعت وسیلہ شکر ہے اور تقویٰ کی روش کا لازمی نتیجہ ہر حال میں خدائے واحد بزرگ وبرتر کا شکر بجالانا ہے اور عدم شکر کی روش سراسر خسارے کا سودا ہے۔

نتائج: (Conclusion)

قرآنی ابلاغ انسانی شخصیت کی نشو و ارتقاء میں اس کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتا ہے، ادراکی، کرداری، جذباتی عناصر کی تعمیر کے لئے مکمل لائحہ عمل دیتا ہے جس میں انسان کی نفسیات و اذہان کو حد درجہ اپیل کیا جاتا ہے، قرآن حکیم کا

ایک خاص انداز ہے کہ جب یہ کوئی کام کرنے کو کہتا ہے تو اس کا انداز ایسا ہوتا ہے جس سے اس فعل کو سر انجام دینے میں آسانی پیدا ہو جائے یعنی انسان کے لئے سہل بنا کر پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر یہ کسی سخت گیر مالک کی طرح نہیں کرتا بلکہ ایک مہربان محسن کے طور پر کرتا ہے مثلاً اپنے محسن کو یاد کرو وغیرہ، یہ انداز انسان کی نفسیات کو بہت متاثر کرتا ہے، اس انداز سے تعمیر ہونے والی شخصیت نہایت معتدل اور متوازن ہوتی ہے جس کے روحانی اور مادی پہلوؤں کے درمیان موجود کشمکش ایک توازن و تطبیق میں تبدیل ہو جاتی ہے، جس سے ایسا انسان سامنے آتا ہے جس کے چہرے سے خشوع و خضوع ظاہر ہوتا ہے، جس کی حرکات سے نرمی و سکون اور حیا کا اظہار ہوتا ہے، اس کا سکون دھوکہ دینے والا نہیں ہوتا نہ ہی اس کی حیا کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تمام غیر اللہ کے سامنے قویٰ، مضبوط اور پر عزم رہتا ہے، اس کی رحم دلی اور سخت گیری صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوتی ہے، خوشی و مسرت کے لمحات میں مغرور ہونے کی بجائے شکر بجالاتا ہے اور غم میں بے صبر اپن دکھانے کی بجائے صبر کی راہ اختیار کرتا ہے، خواہشات و شہوات کے مقابلے میں سربلند رہتا ہے کیونکہ اسے اپنی ذات کی تکریم نہایت عزیز ہوتی ہے، اس کے افعال میں انتہا پسندی اور شدت نہیں ہوتی، تمام مخلوق کے لئے شفقت و مہربانی کے جذبات رکھتا ہے، وہ کاہلی کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اپنی تمام تر عملی قوت اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی اور روئے زمین کی تعمیر و ترقی میں صرف کرتا ہے۔ قرآنی ابلاغ ایک متوازن شخصیت میں چار بنیادی عناصر کا ادراک پیدا کرتا ہے ایک تو وہ اپنے حقیقی خالق و مالک سے اچھی طرح متعارف ہو جاتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ رب باری تعالیٰ عزوجل کی بندگی کی خاطر اسے عبادت گزار بندہ بنناہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مکمل اختیار صرف خدائے بزرگ و برتر کو حاصل ہے تو اس سے اپنی جان، مال اور رزق کے معاملہ میں اس کا دل مطمئن رہتا ہے۔ تیسرے انسان کے شعور میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ عزوجل کی نگاہ میں رہنے کا یقین پختہ ہو جانے سے ہر غلط کام سے اسے شرمندگی محسوس ہوتی ہے، چوتھے یہ کہ اس کی شخصیت کی تعمیر میں موت اور یوم حساب کا تصور راسخ کر دیا جس سے انسان اس دن کی تیاری میں مصروف ہو جاتا ہے۔ انسانی نفس میں ان چار باتوں کا تیقن اور انسان کا ان باتوں پر عمل پیرا ہونا ہی ایک متوازن شخصیت کی بنیاد ہے اور اصل کامیابی اور حقیقی فلاح ہے۔

تجاویز و سفارشات:(Recommendations)

1: جدید تعلیم کو اسلامی اساسیات کی بنیاد پر از سر نو مرتب کیا جائے۔

2: اساتذہ کی پیشہ وارانہ تربیت کے ساتھ ان کی نظریاتی تربیت کا اہتمام بھی کیا جائے۔

3: تعلیم کو عام کرنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر وسائل کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے اور اس پر کسی قسم کا سمجھوتہ نا کیا جائے یہاں تک کہ شرح خواندگی سو فیصد تک پہنچ جائے۔

4: ذرائع ابلاغ کی تطہیر کی جائے اور انہیں اسلامی تناظر میں سیرت کی متوازن تعمیر و بحالی کے کام میں مصروف کیا جائے۔

5: ملک بھر میں تربیت گاہوں کا جال بچھایا جائے جو کہ غیر اسلامی رسوم و رواج سے پاک ہوں اور عصری ضرورتوں، اسلوب کے مطابق ہوں۔

مزید تحقیق کے لئے چند ممکنہ نکات:

اس موضوع کے متعلق مزید تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل نکات زیر بحث لائے جاسکتے ہیں:

1: قرآنی ابلاغ کی رُو سے تصورِ تشکیل انسانی کے نفسیاتی اثرات کا جائزہ لیاجاسکتاہے۔

2: نفس، روح اور جبلی تقاضوں کی مثبت تکمیل کے سلسلے میں علماء کرامؒ کی آراءوافکار کا تجزیہ پیش کیاجاسکتاہے۔

3: قرآنی بلاغ کے اسالیب اور طرق کی نفسیاتی تاثیر کا جائزہ لیاجاسکتاہے جو کہ تعمیر شخصیت میں بنیادی کردار اداکرتی ہے۔

4: عصری تناظر میں انسانی شخصیت میں ٹوٹ پھوٹ اور اضمحلال کا جائزہ لے کر قرآن حکیم کی روشنی میں اس کے حل کا جائزہ لیاجاسکتاہے۔

حواشی وحوالہ جات

---

[1] Ian Robertson, Sociology, Worth Publishers,1987,p:115

[2] ڈاکٹر محمد امین، اسلام اور تزکیہ نفس (مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ط:1، 2004ء، ص:100

[3] المؤمنون 23:116

[4] المؤمنون 23:91

[5] الملک 67:14

[6] وھبہ الزحیلی، التفسیر الوسیط، دارالفکر دمشق۔ سوریۃ، الطبعۃ الاولیٰ، محرم 1422ھ۔ ابریل 2001م، 3/2700

[7] البیضاوی، ناصر الدین ابی الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی الشافعی (ت 691ھ)، انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسر البیضاوی، دار الاحیاء التراث العربی بیروت۔ لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، 1418ھ۔ 1998م، 5/230

[8] نسیم سحر صمد، پروفیسر ڈاکٹر، تعمیر شخصیت کے ادراکی اور کرداری اجزاء، الایضاح......2008، ص:52

[9] آل عمران 3:179

[10] الحدید 57:8

[11] الامام مسلم، ابی الحسین بن حجاج بن مسلم القشیری النیسابوری (204ھ۔261ھ) صحیح مسلم، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، محرم 1421ھ۔ ابریل 2000م، کتاب الایمان، باب بیان الایمان، رقم الحدیث:93، ص:25,24، ورقم الحدیث:95، ص:25

؛ البخاری، الامام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل (194ھ۔256ھ)، صحیح البخاری، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ذوالحجۃ 1319ھ۔ مارس 1999م، کتاب الایمان، باب سوال جبرائیل، رقم الحدیث:37، ص:12

؛ سنن ابن ماجۃ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید، القزوینی، سنن ابن ماجۃ، الریاض: مکتبۃ دار السّلام، الطبعۃ الاولیٰ، 1420ھ/1999م، کتاب السنۃ، باب فی الایمان، رقم الحدیث:63، 64، ص:10

[12] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی (ایڈیشن 14)، 2006ء ص:135

[13] یونس 10:31

[14] النحل 36:16

[15] الاحزاب 21:33

[16] نسیم سحر صمد، پروفیسر ڈاکٹر، تعمیر شخصیت کے ادراکی اور کرداری اجزاء، الایضاح......2008، ص:54

[17] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی، رقم الحدیث:144، ص:36

[18] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی، رقم الحدیث:151، ص:38

[19] الاحقاف 3:46

[20] الانفطار 82:1،4

[21] ابراہیم 48:14

[22] الانبیاء 104:21

[23] میاں عبد الرشید، اسلام اور تعمیر شخصیت، ادارۂ ثقافت اسلامیہ: لاہور، طبع: چہارم، جون 2000ء، ص:127،129

[24] ابن منظور، للعلامۃ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، دار صادر بیروت۔ لبنان، الطبعۃ الاولی 1410ھ-1990م، بذیل مادہ عبد، 3/271؛ وایضاً 3/273

[25] الرازی، الامام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن ابن علی التیمی الکبری الرازی الشافعی، (م:604ھ) التفسیر الکبیر او مفاتیح الغیب، دار الکتب العلمیہ، بیروت: لبنان، ط: ثانیہ، 1425ھ/2004، 2/196

[26] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد، العبودیۃ، المکتب الاسلامی، دمشق، 1382ھ، ص:5،6 ملخصاً

[27] الذاریات 56:51

[28] الانبیاء 25:21

[29] الحجر 99:15

[30] طٰہٰ 14:20

[31] مریم 55:19

[32] المؤمنون 23:1،2

[33] الماعون 107:4،5

[34] مریم 55:19

[35] البقرۃ 183:2

[36] البقرۃ 197:2،200

[37] الدھلوی، العلامہ الشیخ احمد المعروف شاہ ولی اللہ ابن عبد الرحیم المحدث، البدور البازعہ، مجلس علمی ڈھابیل، 1354ھ، ص:296،297

[38] البقرۃ 138:2

[39] المائدہ 48:5

[40] نسیم سحر صمد، پروفیسر ڈاکٹر، تعمیر شخصیت کے ادراکی اور کرداری اجزاء، الایضاح......2008ء، ص:58

[41] نجاتی، محمد عثمان، ڈاکٹر، الحدیث و علم النفس، (مترجم) فہیم اختر ندوی، لاہور: الفیصل ناشران کتب، 1480ھ-1988ء، آٹھویں فصل، ص:274

[42] نجاتی، محمد عثمان، ڈاکٹر، الحدیث و علم النفس، مطبوعہ دار الشروق، بیروت، 1987م، ص:106

[43] ابن منظور، لسان العرب، 8/292، ومابعد

[44] النحل 66:16

[45] یوسف 54:12

[46] امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، اہل حدیث اکادمی، لاہور، ط: جنوری۔ 1971، ص:283

[47] الزمر 3:39

[48] الزمر 2:39

[49] علامہ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور: پاکستان، ذیقعد 1430ھ-نومبر، 2009/6/ 562

[50] الصافات 37:40،43

[51] النساء 4:145،146

[52] لسان العرب، بذیل مادہ خوف، 9/99

[53] تفسیر البیضاوی، 1/ 74

[54] تھانوی، اشرف علی، مولانا، اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ، (مترجم) محمد دین چشتی، شریعت و طریقت، ادارہ اسلامیات، لاہور، بار ششم، 1410ھ-1981ء، ص:133

[55] ایضاً حوالہ مذکور، ص:134

[56] البقرۃ 150:2

[57] آل عمران 175:3

[58] المائدہ 83:5

[59] الترمذی، الامام الحافظ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابن موسیٰ (200ھ-279ھ)، جامع الترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع: الریاض، الطبعۃ الاولیٰ محرم 1420ھ-ابریل 1999م، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ الواقعۃ، رقم الحدیث: 3297، ص: 749,748

[60] الرحمٰن 46:55

[61] یونس 62:10

[62] جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب فی ثواب الاطعام، رقم الحدیث: 2450، ص:558؛ ومسند ابی ھریرۃ، رقم الحدیث: 106، 1/ 51

[63] احیاء علوم الدین، 1/ 2140

[64] یوسف 87:12

[65] البقرۃ 255:2

[66] النمل 62:27

[67] لسان العرب، 6/ 107

[68] اسلام اور تزکیہ نفس، ص:234

[69] البیہقی، شعب الایمان، 3/ 497

[70] البقرۃ 45:2

[71] البقرۃ 153:2

[72] آل عمران 200:3

[73] محمد 31:47

[74] البقرۃ 155:2، 157

[75] الانفال 65:8

[76] القرآن وعلم النفس، ص:299

[77] لسان العرب، 6/ 107 ومابعد

[78] الغزالی، الامام ابی حامد محمد بن محمد، (م:505ھ) احیاء علوم الدین، دار المعرفۃ بیروت۔لبنان، 1425ھ-2004ء، 1/2139

[79] البقرۃ 152:2

[80] آل عمران 144:3

[81] العنکبوت 17:29

[82] ابراہیم 7:14

[83] سبا 13:34

[84] الامام مسلم، ابی الحسین بن حجاج بن مسلم القشیری النیسابوری (204ھ-261ھ) صحیح مسلم، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، محرم 1421ھ-ابریل 2000م ، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب اکثار الاعمال والاجتہاد فی العبادۃ، رقم الحدیث:7126، ص:1227

[85] لقمان 14:31

[86] جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک، رقم الحدیث:1954، ص:454